© rasailojaraid.com

عصر حاضر میں خروج کا جواز اور شبہات کا جائزہ

زاہد صدیق مغل

چند روز قبل ایک این جی او کی طرف سے راقم الحروف کو مکالمہ بعنوان 'عصر حاضر میں تکفیر وخروج' کے موضوع پر شرکت کی دعوت دی گئی جس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ چند وجوہات کی بناء پر راقم مکمل پروگرام میں شرکت نہ کر سکا البتہ پروگرام کی ریکارڈنگ کے ذریعے شرکائے گفتگو کا مقدمہ اور انکے دلائل سننے کا موقع ملا۔ پوری نشست کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریباً تمام ہی شرکاء محفل نہ صرف یہ کہ عصر حاضر میں مسلم ریاستوں کے خلاف خروج کے اصولی عدم جواز پر متفق ہیں بلکہ قریب قریب انکا یہ نظریہ ایک آفاقی قضیہ بھی ہے، یعنی ماسواء کفر بواح خروج ہر حال میں ناجائز وحرام ہے۔ رہی یہ بات کہ کفر بواح کی صورت میں کیا کیا جائے تو شرکائے مجلس کے رجحانات ذیل میں سے ایک تھے:

☆ خروج وجہاد کیلئے ایسی سخت شرائط عائد کرنا جنکا مقصد اس جدوجہد کو عملاً ناممکن بنا دینا ہے

☆ ایسے حالات میں امت مسلمہ کیلئے مروجہ جمہوری طریقوں سے تبدیلی لانے کی جدوجہد کو بہترین طرز عمل قرار دینا، یعنی زیادہ سے زیادہ احتجاج وغیرہ کرنے کی اجازت ہونی چاہئے (اس نکتے پر باقاعدہ حدیث سے استدلال بھی فرمایا گیا)

شرکائے مجلس نے دلائل کے طور پر قرآنی آیات واحادیث سے بھی اپنے استدلال کو مزین فرمانے کی کوشش کی نیز اس سلسلے میں (سیاق وسباق سے کاٹ کر) کتب فقہ کی عبارات سے بھی اپنے دعوے کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی۔ ممانعت خروج کی حکمتوں پر انتہائی شدومد کے ساتھ زور دیتے ہوئے کہا گیا کہ خروج سے منع کرنے کی وجہ مسلمانوں کو فساد سے بچانا نیز امن وسلامتی پر مبنی ریاست قائم کرنا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہنے والے اس مکالمے میں جہاں یکطرفہ طور پر خروج کی ممانعت ثابت کرنے کیلئے اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا وہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے خروج کا کلیتاً ذکر تک نہ ہوا کہ جاری بحث کی روشنی میں ان دونوں حضرات کے خروج کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

اس مضمون کے پیش نظر دو مقاصد ہیں: اولاً اپنے موقف کو پیش کرنا (جس کا موقع

ماجاز لعذر بطل بزواله ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروگرام میں نہ مل سکا)، ثانیا دیگر شرکاء محفل کے موقف کا جائزہ پیش کرنا۔ دھیان رہے نفس مضمون کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں کہ خروج کرنا ہر حال میں واجب ہے یا مصلحانہ اسلامی جدوجہد کرنا باطل ہے اور نہ ہی اسکا مقصد کسی مخصوص تحریک خروج کا جواز فراہم کرنا ہے، بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ جس طرح اصلاحی تحریکات کا دین میں مخصوص مقام ہے اسی طرح انقلابی جدوجہد (خروج وجہاد) بھی ایک جائز حکمت عملی ہے اور موجودہ دور میں اسکی ضرورت واہمیت کا انکار کرنے والے حضرات نہ صرف یہ کہ غلطی پر ہیں بلکہ ایک جائز واہم طریقہ تبدیلی کے مواقع کو اپنے ہاتھ سے ضائع کر دینے والے ہیں۔

مباحث مضمون چار حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں:

۱) ہمارا مدعا یہ ہے کہ دور حاضر کی ریاستیں کسی بھی درجے میں خلافت اسلامیہ کے ہم پلہ نہیں بلکہ درحقیقت یہ سرمایہ دارانہ ریاستیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ریاستوں کے خلاف خروج کی بحث اصولاً غلط ہے کیونکہ خروج تو فاسق وفاجر مگر 'اسلامی ریاست' کے خلاف ہوتا ہے۔ چنانچہ موجودہ ریاستوں کے خلاف انقلابی جدوجہد کا جواز خروج سے بھی آگے بڑھ کر مباحث جہاد سے فراہم کیا جانا چاہئے۔ اس بنیادی دعوے کی تفہیم کیلئے جن اصولی مباحث کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے انکی وضاحت حصہ اول میں کی گئی ہے۔ ان مباحث سے اقوال فقہاء سمجھنے میں بھی مدد حاصل ہوگی

۲) موجودہ سرمایہ دارانہ مسلم ریاستوں کے خلاف خروج کا عدم جواز ثابت کرنے والے مفکرین اپنے دعوے میں وزن پیدا کرنے کیلئے فقہائے کرام کے جن خلاف خروج اقوال کا سہارا لیتے ہیں ان اقوال کا درست فقہی تناظر حصہ دوئم میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے

۳) حصہ سوئم میں منکرین خروج کے ان شکوک وسوالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جنہیں اکثر وبیشتر انقلابی وجہادی جدوجہد کے خلاف بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے

۴) آخری حصے میں تحریکات اسلامی کی خدمت میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی قوت کا بھرپور اظہار کس طرح ممکن ہے۔۔ وما توفیقی الا باللہ

۱) خروج کے ضمن میں چند اصولی مباحث:

زیر بحث موضوع پر درست زاویہ نگاہ سے غور کرنے کیلئے چند اصولی نکات کی وضاحت ضروری ہے لہذا پہلے ان کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاست وحکومت کا فرق:

خروج کی بحث کو درست طور پر سمجھنے کیلئے حکومت و ریاست کا فرق سمجھنا نہایت ضروری امر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حکومت کو ریاست کے ہم معنی سمجھنا ہی بے شمار علمی وفکری مسائل کی اصل وجہ ہے۔ درحقیقت جب تک یہ فرق واضح نہ ہو فقہائے کرام کی خلاف خروج عبارات کا اصل محل سمجھنا نہایت دشوار امر ہے۔ چنانچہ ریاست کا معنی 'نظام اقتدار' یا نظام اطاعت و جبر ہوتا ہے جبکہ حکومت محض اسکا ایک جزو ہے نہ کہ کل ریاست۔ نظام اقتدار کا دائرہ خاندان سے لیکر حکومت تک پھیلا ہوتا ہے جس میں نظام تعلیم، معاشرتی تعلقات کی حد بندیاں، نظام تعزیر، قضا، حسبہ اور انہیں نافذ کرنے والے ادارے وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں جن میں سے ایک اہم مگر جزوی ادارہ حکومت بھی ہوتا ہے۔

درج بالا فرق کی وضاحت ہم جمہوریت کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ جمہوریت محض تبدیلی حکومت کے ایک مخصوص طریقے (ووٹنگ) کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مکمل ریاستی نظام ہے جسکا نقشہ کچھ یوں کھینچا جا سکتا ہے:

جمہوری نظم ریاست کے کلیدی ادارے:

مقننہ، بیوروکریسی (انتظامیہ) وٹیکنوکریسی (سرمایہ دارانہ علوم کے ماہرین)، عدلیہ، کورٹس، پولیس، فوج، کارپوریشن وفائنانشل ادارے (مثلاً بینک)، تعلیمی نظام، انٹرسٹ گروپس، آزاد میڈیا وغیرہم

جمہوری نظم ریاست میں سرمایہ دارانہ عقلیت کے فروغ میں سرگرم کلیدی کردار:

دانشور، کلچرل ہیروز (سپورٹس مین، سائنسدان وغیرہ)، ٹیکنوکریٹ، استعماری ایجنٹ

جمہوری نظام نمائندگی کے اہم ادارے:

انٹرسٹ گروپس، ہیروز کی پرستش، سیاسی پارٹیاں، ایڈمنسٹریشن، سرمایہ دارانہ تحریکیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمہوری نظام نفاذ کے اہم ادارے:

فوج و پولیس، کورٹس اور عدلیہ کا نظام، شمولیت (سیاسی مخالفین کو ساتھ ملانا)، اخراج (مخالفین کو بے دست وپا کر دینا)، سوشل ویلفیئر، صنعتی تعلقات درحقیقت جمہوریت ایک پیچیدہ اور گنجلک ریاستی نظام ہے جس میں طاقت کے بے شمار مراکز ہوتے ہیں۔(۱) اور ان کا مقصد فرد و معاشرے پر سرمایہ دارانہ عقلیت (rationality) وعلوم کی فرمارروائی قائم کرنا ہے۔ جمہوری 'ریاست' کے اس نقشے کی روشنی میں حکومت اور ریاست کا فرق سمجھنا ممکن ہے، یعنی جمہوری حکومت سے مراد محض مقننہ (وہ بھی محض ایوان زیریں) ہے جبکہ جمہوری ریاست (نظام اطاعت) سے مراد درج بالا تمام ادارے ہیں۔ اب فرض کریں اگر محض حکومت بدلنے کے طریقے کو تبدیل کر کے کوئی خاندان جمہوری نظام ریاست پر قبضہ کر لے اور پھر بعینہ انہی جمہوری اداروں کے تحت حکمرانی کرنے لگے تو اسے جمہوری نظام کی تبدیلی نہیں کہا جاتا بلکہ اس قسم کی جمہوریت کو 'آمرانہ جمہوریت' (ill-liberal democracy) کہتے ہیں (مثلاً جیسے پاکستان میں فوجی مداخلت کے بعد قائم ہونے والی جمہوریت ہوتی ہے)۔ چنانچہ کئی مسلم مفکرین (مثلاً فرید زکریا(۲)) کے خیال میں ایسی مسلم ریاستیں جہاں روایت پسند اسلام اور روایت پسند اسلامی تحریکات کا زور بہت زیادہ ہے وہاں لبرل جمہوریت قائم کرنا سرمایہ دارانہ ریاستی نظم کیلئے شدید خطرے کا باعث بن سکتا ہے (مثلاً اگر عوام ایسی پارٹی کو ووٹ دے کر حکومت میں لے آئیں جو آزادی، مساوات، ترقی، ہیومن رائٹس وغیرہ کو رد کرتی ہو تو پھر عین ممکن ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہی لپیٹ دیا جائے)۔ لہذا ضروری ہے کہ ایسے مسلم اکثریتی علاقوں میں آمرانہ جمہوریتیں (بصورت استعمار دوست بادشاہوں یا ڈکٹیٹروں کی حکومت) قائم کی جائیں تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ جس قدر سرمایہ دارانہ نظام مستحکم ہوتا چلا جائے گا اسی قدر اس بات کے امکانات بڑھ جائیں گے کہ روایت پسندی جدیدیت پسندی میں تبدیل ہو جائے گی، سرمایہ دارانہ علوم و اداروں کا فروغ لوگوں کو اسلام کے بجائے خواہشات نفس کا خوگر بنا دے گا، ساتھ ہی ساتھ اسلامی تحریکیں بھی جمہوری نظام میں اپنی جگہ بنانے کیلئے حقوق کی سیاست کرنے پر آمادہ ہوتی چلی جائیں گی اور جب یہ اطمینان ہو جائے کہ اب جمہوری نظام کو کوئی خطرہ نہیں تب آمرانہ جمہوریت کو لبرل جمہوریت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے (عرب دنیا میں جاری بے چینی کی حالیہ لہر درحقیقت آمرانہ جمہوریتوں کو لبرل جمہوریتوں میں تبدیل کرنے کی کوشش ہے، انہیں اسلامی تبدیلی کا پیش خیمہ سمجھنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سادہ لوحی کے سواء کچھ نہیں)۔ چونکہ جمہوری نظام ریاست جس شیطانی انفرادیت (یعنی ہیومن بینگ) کے وجود کا تقاضا کرتا ہے وہ انسانی فطرت کے کلیتًا منافی ہے، لہذا یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں آج تک جمہوری ریاست بذات خود جمہوری طریقے سے نافذ نہیں کی جاسکی بلکہ اس کیلئے ابتدائی دور میں قتل و غارت گری اور جبر و استبداد سے کام لینا پڑتا ہے اور جس رفتار سے جمہوری ریاستی ادارے مستحکم ہوجاتے ہیں اسی قدر جمہوریت کو بھی لبرل بنادیا جاتا ہے۔ اسی طرح فرض کریں اگر کسی جمہوری ریاست میں آزاد میڈیا نہ ہو (جیسے پاکستان میں مشرف کے دور سے پہلے نہ تھا) یا عدلیہ کرپٹ ہو تو اسے جمہوری ریاست کے عدم وجود کے ہم معنی نہیں کہا جاتا۔ حکومت و ریاست کا یہ فرق ذہن میں رکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اسکی روشنی میں ہم انشاء اللہ فقہاء کرام کے اقوال سمجھنے کی پوزیشن میں آجائیں گے۔

خلافت اسلامی کے درجات :

خروج کے ضمن میں فقہائے کرام کے اقوال کی درست تعبیر بیان کرنے کیلئے اسلامی خلافت اور اس کے درجات پیش نظر رہنا بھی نہایت اہم امر ہے۔ ذیل میں اس کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

اسلامی خلافت وریاست (نظام اقتدار) کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی سیاسی نیابت ہے، یعنی یہ ماننا کہ انفرادی اور اجتماعی تمام معاملات میں فیصلے اس بنیاد پر ہونگے کہ شارع کی رضا کیا ہے، حکمران خود بھی اس پر عمل کریگا اور عوام کو بھی عمل کرائے گا۔ اس نیابت میں درجات کی مثال درحقیقت درجات ایمان کی سی ہے، یعنی جیسے مسلمانوں کے ایمان کے درجات ہوتے ہیں، کچھ وہ ہیں جنہیں ہم ابوبکرؓ وعمرؓ وصحابہؓ کہتے ہیں، کچھ اس سے کم ایمان رکھتے ہیں، کچھ ہم جیسے کمزور ایمان والے ہیں، ان میں بھی کچھ کم درجے کے فاسق ہیں اور کچھ انتہائی درجے کے فاسق، لیکن اس توافق درجات کے باوجود سب کے سب مسلمان ہی ہیں۔ گو کہ مطلوب اصل تو صحابہؓ جیسا ایمان ہی ہے لیکن اس درجہ ایمانی سے کم ایمان والے لوگوں کو ہم مسلمان کہنے کے بجائے کچھ اور نہیں کہتے۔ بعینہ یہی معاملہ خلافت کا بھی ہے کہ اس میں ایک درجہ وہ ہے جسے ہم 'خلافت راشدہ' کہتے ہیں جو خلافت اسلامی کے اظہار کا بلند ترین درجہ تھا جبکہ اسکے بعد گو کہ خلافت تو موجود رہی مگر اسکے اظہار کا وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معیاری درجہ مفقود ہوگیا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ خلافت راشدہ کے بعد خلافت کا آئیڈیل نظام باقی نہ رہا اور مطلوب اصلی وہی نظام ہے لہذا ہم بعد والے دور کو خلافت کے بجائے کسی اور نام (مثلاً مسلمانوں کی تاریخ) سے پکاریں گے تو یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ آئیڈیل اور مطلوب ایمان تو صحابہؓ کا ہی تھا اور اسکے بعد مطلوب ایمان کا درجہ قائم نہ رہا لہذا ہم بعد والے لوگوں کو مسلمان کے علاوہ کچھ اور (مثلاً مسلمانوں جیسے) کہیں گے۔ پھر جیسے ہر ریاست کے ذمے چند اندرونی اور بیرونی مقاصد کا حصول اور اسکے لئے لائحہ عمل وضع کرنا ہوتا ہے، اسی طرح خلافت کے بھی دو تقاضے ہیں: ریاست کے اندرونی معاملات کی سطح پر اقامۃ دین کیلئے نفاذ شریعت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بنیاد پر نظام اقتدار کی تشکیل اور بیرونی معاملات میں اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہاد و تبلیغ کا کام مرتب کرنا۔ درجات خلافت کی تفصیلات درج ذیل طریقے سے بیان کی جاسکتی ہے:

الف) خلافت راشدہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نیابت رسول ﷺ میں بندگان خدا کی اصلاح، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، نفاذ شریعت واعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہاد کے سواء ذاتی سطح پر ہرگز بھی کچھ مطلوب نہ ہو۔ یعنی اتباع نفس ومرغوبات نفسانیہ کا ہرگز بھی کوئی گذر نہیں ہوتا یہاں تک کہ رخصتوں، مباحات وتوسع کے بجائے عزیمت، تقوی واحتیاط کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس رویے کی وضاحت خلفائے راشدین کے طرز عمل کی دو مثالوں سے ہوجاتی ہے: (۱) باوجود اسکے کہ اسلام میں خلیفہ کیلئے متوسط درجے کا معیار زندگی اختیار کرنا جائز ہے خلفائے راشدین نے ہمیشہ کم سے کم تر پر ہی اکتفا کیا (۲) باوجود اسکے کہ خلیفہ کیلئے اپنی حفاظت کا مناسب بندوبست کرنا جائز ہے خلفائے راشدین نے کبھی اسکا اہتمام نہ فرمایا حالانکہ تین خلفاء شہید تک ہوئے۔ نیابت رسول ﷺ میں اختیار عزیمت واحتیاط کا یہ پہلو ہر معاملے میں اپنایا جاتا تھا اور خلفائے راشدین کے طرز عمل سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ کسی بھی خلیفہ راشد نے اقتدار کو اپنے ذاتی مفادات کیلئے استعمال کرنے کی ادنی درجے میں بھی کوشش نہیں کی۔

درحقیقت یہی وہ پہلو ہے جو خلافت راشدہ کو محض خلافت سے ممیز کرتا ہے

ب) خلافت/امارت/سلطنت سے مراد یہ ہے کہ نفاذ شریعت و جہاد کے ساتھ ساتھ دنیاوی مقاصد، مثلاً مرغوبات نفسانیہ، مال وجاہ کی خواہش، اقرباء پروری، امصار و بلدان پر تسلط اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طول حکومت کی آرزو وغیرہ بھی شامل حال ہوجاتے ہیں ۔ اس ہوا ہوس کے بھی کئی مراتب ہیں جنکی بناء پر خلافت کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے:

اول: امارت عادلہ کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان حکمران عادل ہو، جیسے عمر بن عبدالعزیزؒ، سلیمان بن عبد الملکؒ، اورنگ زیب عالمگیرؒ وغیرہم ۔ یعنی نیابت رسول ﷺ میں ظاہر شریعت حاکم کے ہاتھ سے نہ چھوٹتی ہو، نہ ہی فسق و فجور میں مبتلا ہوتا ہو۔ اگر معصیت میں مبتلا ہو بھی جائے تو اس پر دوام اختیار نہ کرتا ہو نیز مباحات وتوسعات کے درجے میں لذات نفسانیہ تلاش کرلیتا ہو

دوئم: امارت جابرہ سے مراد فاسق مسلمان حکمران ہے لیکن اسکا فسق انتہائی درجے کا نہیں ہوتا۔ یہ ایسا حاکم ہوتا ہے جس سے احکامات شریعہ میں کوتاہی ہوجاتی ہے، یعنی اطاعت نفس میں دائرہ شریعت سے باہر نکل کر فسق و فجور میں مبتلا ہوجاتا ہے اور پھر اس پر پشیماں بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی توبہ کی فکر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود نفاذ شریعت و مقاصد شریعت کے نظام کو قصداً تہہ و تیغ نہیں کرتا بلکہ انہیں جوں کا توں بجالانے کی روش برقرار رکھتا ہے

سوئم: امارت ضالہ کا معنی ایسا مسلمان حکمران ہے جو انتہائی فاسق، فاجر و ظالم ہو۔ تکبر، ظلم و تعدی کی بنیاد ڈالتا ہے، نفس پرستی میں ہمت صرف کرتا ہے، فسق و فجور کے طریقوں کو عام کرنے کو اپنی پالیسی بنالیتا ہے، بیت المال کو ذاتی ملکیت بنالیتا ہے وغیرہ۔ گویا امارت جابرہ و ضالہ میں فرق کرنے والی ایک اہم شے حکمران طبقے کے فسق وظلم کا اسلامی ریاستی نظم کے لئے لازم یا متعدی ہونا ہے

چہارم: امارت کفر ایک ایسی ریاست جو شریعت کے برعکس کسی دوسری بنیاد (مثلاً ہیومن رائٹس) پر قائم ہوتی ہے۔ یہاں خود ساختہ قوانین کو شرع پر ترجیح دی جاتی ہے، حرام کو قوانین کا درجہ دے دیا جاتا ہے، حلال پر قدغنیں عائد کردی جاتی ہیں، شارع کے واضح احکامات کو بھی پس پشت ڈال کر دشمنان اسلام کے طریقوں کو رائج کرکے انکے ہاتھ مضبوط کئے جاتے ہیں وغیرہ۔ کسی ریاست کے کفریہ ہونے کیلئے یہ بات غیر اہم ہے کہ اسکا حاکم مسلمان ہے یا کافر۔ مثلاً بارک اوبامہ (یا کسی اور مسلمان) کے امریکہ کے صدر بن جانے سے امریکہ دارالاسلام نہیں بن جائے گا۔ یا جیسے افغانستان میں اشترا کی نظام نافذ کرنے والے تمام لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بظاہر کلمہ گو ہی تھے مگر انکا یہ دعوی ایمانی کسی اشتراکی ریاست کو اسلامی کہلانے کیلئے کفایت نہ کرے گا

اس تقسیم سے ضمناً یہ اہم بات واضح ہوتی ہے کہ ہماری تاریخ میں اقتدار (نظام جبر) بحیثیت مجموعی اسلامی تھا گو کہ اچھی بری حکومتیں آتی رہیں۔ یقیناً اسلامی تاریخ میں برائیاں رہی ہیں، مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی ریاست ناپید ہوگئی تھی، بلکہ صرف اسلیئے کہ مسلمان فرشتے نہیں بلکہ دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہی ہیں جن سے غلطی اور گناہ کا صدور ممکن ہے۔ چنانچہ بیرونی طور پر اسلام مخالف طاقتوں کا مقابلہ اور ان سے جہاد اور اندرون ریاست مذہبی و تمدنی زندگی کے اداروں و شعبوں میں احکامات شریعہ کے نفاذ کے مقاصد مختلف درجات میں ادا کئے جاتے رہے، گو خلافت راشدہ کے بعد اسکے ساتھ ذاتی مفادات اور عملی کوتاہیوں کے معاملات بھی شامل حال ہو گئے تھے (اس نکتے کی مزید وضاحت درج بالا مثال سے سمجھی جا سکتی ہے)۔

موجودہ مسلم حکومتوں کی حیثیت:

اقوال فقہاء کو درست طور پر سمجھنے نیز موجودہ دور پر انہیں چسپاں کرنے کی غلطی سمجھنے کیلئے خلافت اور موجودہ مسلم ریاستوں کے فرق پر غور کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے جس سے یہ واضح ہو سکے گا کہ اکثر و بیشتر مسلم ریاستیں خیر والقرون کی خلافت تو کجا خلافت عثمانیہ و مغلیہ کے ہم پلہ بھی نہیں۔ درج ذیل تمام نکات بذات خود تفصیل طلب موضوعات ہیں لیکن نفس مضمون اور خوف طوالت ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم انکی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں (۳):

اول: قومی بمقابلہ اسلامی ریاست

دوئم: نمائندگی عوام بمقابلہ نیابت رسول ﷺ

سوئم: سوشل سائنسز بمقابلہ علوم شریعہ کی بالادستی

چہارم: دوستور (ہیومن رائٹس) بمقابلہ شریعت (نظام قضاء) کی بالادستی

پنجم: مذہبی معاشرت بمقابلہ سول سوسائٹی۔

ان نکات کی نوعیت سے واضح ہے کہ موجودہ مسلم ریاستیں دانستہ و نادانستہ طور پر ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے نظام پر مبنی اور اسکی حامی وناصر ہیں جہاں خدا کے بجائے عوام کی حاکمیت، علوم شریعہ کے بجائے سرمایہ دارانہ علوم اور شرع کے بجائے دستور نافذ ہے۔ درحقیقت جدید مسلم ریاستیں ہیومن رائٹس کی بالادستی کا اقرار کر کے بذات خود اپنے سرمایہ دارانہ ہونے کا کھلم کھلا اعلان کر رہی ہیں اور یہ بات پولیٹیکل سائنس کے ہر طالب علم پر واضح ہے کہ ہیومن رائٹس پر مبنی جمہوری ریاست ایک pluralistic (کثیر الخیر تصوراتی) ریاست ہوتی ہے جہاں کسی مذہب کی بالادستی کا دعوی سرمایہ دارانہ نظام کے استحکام کیلئے بطور ایک حربہ کچھ عرصے قبول تو کیا جاسکتا ہے (جسے آمرانہ جمہوریتیں کہا جاتا ہے) البتہ ایسی ریاست کے اندر مذہبی حاکمیت کو محفوظ کرنا اور فروغ دینا ناممکن الوقوع شے ہے۔ یہ ریاستیں 'خیر' نہیں بلکہ 'حقوق' پر مبنی ریاستیں ہوتی ہیں لہذا ہر وہ ریاست جو ہیومن رائٹس کو جزوی یا کلی طور پر قبول کرتی ہے وہ سیکولر ریاست ہوتی ہے۔ جمہوری ریاست کے اندر عبوری دور کیلئے کسی قسم کی مذہبیت کو محض اس لئے روا رکھا جاتا ہے کہ چونکہ مقامی لوگ ابھی پوری طرح Enlightened (مہذب یعنی ہیومن بینگ) نہیں ہو سکے ہیں لہذا انہیں انکے مقامی تعصبات (مثلاً مذہبی یا روایتی وابستگیوں) کے ساتھ ہیومن رائٹس کی بالادستی قبول کرنے کا پابند بنایا جائے تاکہ ایک طرف انکی 'نفسیاتی تسکین' کا سامان بھی فراہم ہو جائے اور دوسری طرف 'عملاً سرمایہ دارانہ نظام کو قبولیت عامہ' فراہم کرنے کیلئے ادارتی صف بندی کرنے کا موقع بھی میسر آجائے۔ جوں جوں سرمایہ دارانہ نظام مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے روایتی مذہبی عقلیت وعلمیت تحلیل ہو کر بے معنی ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ دنیا میں ہر جگہ سرمایہ دارانہ نظام کو اسی حربے کے ذریعے آفاقی قبولیت فراہم کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر کا سب سے بڑا اور غالب ترین کفر بواح 'ہیومن رائٹس کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اسکا اقرار کرنا' ہے (۴)۔

اس مختصر وضاحت سے معلوم ہوا کہ موجودہ مسلم ریاستیں درحقیقت سرمایہ دارانہ ریاستیں ہیں گو انہیں چلانے والے مسلمان ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ریاستی اداروں کے ممبران بہر حال مسلمان ہی ہیں (جن میں سے کئی ایک مخلصین بھی ہیں)، مگر یہ ایسے ہی ہے جیسے مسلمان عیسائی یا ہندو ریاست قائم کر کے اسکے قانون کے ماتحت زندگیاں بسر کرنے لگیں۔ انہیں معنی میں موجودہ دور میں پائی جانے والی عمومی صورت حال نئی اور منفرد ہے کہ 'قومی نوعیت' کے مسلمان حکمران

☆ جلب مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(بااستثناء چند) اس سے پہلے کسی 'باطل نظام' کے تحت حکمرانی نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا جرم فسق وفجور کی نوعیت کا ہوتا تھا نہ کہ کسی نظام باطل کے حامی و ناصر ہونے کا (ان معنی میں کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ مسلم ریاستیں تو یزید کی امارت سے بھی بدتر ہیں، کم از کم وہ کسی اسلام کش نظام کا حامی تو نہیں تھا، خیال رہے ہم یزید کی حمایت نہیں کر رہے بلکہ موجودہ مسلم ریاستوں کو اس کی امارت سے بھی بدتر کہہ رہے ہیں)۔ اکثر و بیشتر مسلم ریاستیں جس علمیت، قانون، معاشرت وسیاست کو فروغ دے رہی ہیں وہ سرمایہ دارانہ خدوخال پر مبنی ہیں جن کا اسلام سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔

امت مسلمہ میں خروج کی حالیہ لہر کی وجوہات

یہ بات سمجھنا بھی نہایت اہم ہے کہ آخر پچھلی نصف صدی میں ہی امت مسلمہ کے اندر خروج کی اس قدر تحریکات کیوں برپا ہو رہی ہیں۔ مختصراً ذیل کے نکات پر غور کرنے سے اسکی جائز فکری بنیادیں سمجھی جاسکتی ہیں:

☆ جب تک اسلامی ریاست اور شریعت کی حکومت مسلمانوں پر قائم تھی (لگ بھگ ۱۹۲۴ تک)، اس وقت تک خروج کی تحریکات شاذ ہی پائی جاتی تھیں۔

☆ ایک بیرونی استعمار نے فوجی، قانونی، سیاسی، سماجی، تعلیمی ونظریاتی استبداد کے ذریعے مسلم دنیا پر سرمایہ دارانہ نظام مسلط کر دیا (مزے کی بات یہ ہے کہ جدید مسلم مفکرین جن مغربی تصورات و اداروں (مثلاً جمہوریت) پر فریفتہ ہو کر انہیں 'عین اسلام' قرار دے رہے ہیں انکا کوئی سراغ تک اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا۔ یہاں سے یہ نکتہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آخر ابتدائی دور میں آمرانہ جمہوریتیں کیوں قائم کی جاتی ہیں، ظاہر ہے اسکا مقصد اسی قسم کی غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے کا موقع حاصل کرنا ہوتا ہے)

☆ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ تبدیلی جس سے امت مسلمہ کو سابقہ پڑا ان معنی میں پہلی تبدیلی تھی کہ مسلمانوں کے نظم اجتماعی کی بنیاد اسلام وشریعت کے سواء کچھ اور ہوگئی (ان معنی میں کمزور ترین مغل سلطان بہادر شاہ ظفر کی ریاست بھی جدید مسلم ریاستوں سے ہزار ہا گنا بہتر تھی)

☆ مسلم علاقوں سے استعمار کے جانے کے بعد ان علاقوں کے اس سیکولر و جدیدت زدہ طبقے کو جو دین استعمار کا دلدادہ اور پیروکار تھا تقریباً ہر مسلم علاقے میں 'ہیرو' بنا کر وہاں ایک قوم پرست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریاست قائم کر کے قابض کر دیا جاتا ہے اور یہ طبقہ ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام کا 'مقامی رکھوالا' بن بیٹھتا ہے تو دوسری طرف اسلام پسندوں پر کوڑے برسانے اور نظم اجتماعی میں انہیں دیوار سے لگانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔

☆ ساتھ ہی طویل عرصے تک کئی اسلامی تحریکات کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا جاتا ہے کہ تمہار امسئلہ عوامی رائے کا تمہارے ساتھ نہ ہونا ہے، لہذا اگر تم عوامی رائے کی بنیاد پر حکومت بنالو تو جو جی میں آئے کرلینا (وہ اور بات ہے کہ بذات خود یہ جمہوری ریاستیں قائم کرنے کیلئے مقامی لوگوں کی رائے ضروری نہیں)، لیکن اگر کہیں (مثلاً الجزائر میں) اسلامی تحریکات نے اکثریتی ووٹ لاکر انکے سامنے دھر بھی دیئے تو ایسے الیکشن کو کالعدم قرار دیکر اسلامک فرنٹ کی حکومت قائم نہ ہونے دی گئی کیونکہ اس حکومت سے خود جمہوری نظام کو خطرہ لاحق تھا۔

☆ پس جہاں ایک طرف جمہوریت پسند طبقوں کے 'عمل' نے حقیقت پسند اسلام پسندوں کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک کر دیا کہ جمہوری راستے سے سرمایہ دارانہ نظم ریاست ختم کر کے اسلامی نظم ریاست قائم کرنا ممکن ہے، وہاں ساتھ ہی مغربی فکر کے تفصیلی مطالعے سے یہ نظریاتی حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ جمہوریت کا مطلب 'اکثریتی رائے' (will of all) نہیں بلکہ 'ارادہ عمومی' (general will) یعنی آزادی و ہیومن رائٹس کی بنیاد پر ریاستی نظام قائم کرنا ہوتا ہے اور اس ارادہ عمومی کو کسی مذہب یا روایت کی بنیاد پر کالعدم قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس فریم ورک کے اندر کسی مذہب کی بالادستی قائم کرنا ممکن ہوتا ہے۔

☆ چنانچہ جس طرح ریاستی سرپرستی ختم ہو جانے کے بعد علوم دینیہ کے تحفظ کیلئے علمائے کرام نے مساجد و مدرسہ کی سطح پر علمی جدوجہد برپا کی، معاشرے کے اجتماعی بگاڑ کے پیش نظر ان گنت اصلاحی اسلامی تحریکات سامنے آئیں، بالکل اسی طرح اسلامی قوت جمع کر کے اقتدار کو کفر کے بجائے شریعت کے تابع کرنے کیلئے انقلابی و جہادی تحریکات کا وجود میں آنا بھی نہ صرف یہ کہ عین فطری تقاضا تھا بلکہ امت مسلمہ کی ایک اہم ضرورت بھی (۵)۔ لہذا قابل فکر بات یہ سوچنا نہیں کہ ان تحریکات کو ختم کیسے کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ تمام اسلامی تحریکوں کے کام میں ربط کیسے پیدا کیا جائے (اس نکتے پر کچھ گفتگو ذیل میں آئے گی)

☆ عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃً مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاءً ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ چنانچہ اگر سرمایہ دارانہ نظام اور استعمار ایجنٹ حکمرانوں کو مسلم علاقوں میں بے دست و پا کر کے اسلامی خلافت قائم کر دی جائے تو تحریکات خروج و انقلاب خود بخود ختم ہو جائیں گی، جب تک ایسا نہ ہوگا ان تحریکات کا استحقاق وجود اور وجہ جواز بہر حال قائم رہے گا (اسی لئے کہتے ہیں 'ضرورت ایجاد کی ماں ہے')

۲) اقوال فقہاء اور خروج:

ان اصولی مباحث کے بعد اب آیئے اقوال فقہاء کی طرف۔ معاصر منکرین خروج اپنے دعوے کے اثبات کیلئے فقہائے کرام کے ان اقوال کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں فاسق و متغلب ملوک کے خلاف خروج سے منع کیا گیا ہے۔ درحقیقت اقوال فقہاء کو بطور دلیل پیش کرنے سے پہلے ان کا درست محل سمجھنا ضروری ہے جسے دو پہلوؤں سے سمجھا جا سکتا ہے، ایک اسلامی خلافت کے درجات کی روشنی میں دوئم خلافت اور جدید ریاستوں کے فرق کی روشنی میں۔ ذیل میں دونوں پر بالترتیب گفتگو کی جائے گی۔

۲.۱) اقوال فقہاء کا ایک پہلو:

جیسا کہ واضح کیا گیا خروج سے مراد فاسق مسلمان حکمران کی اطاعت سے نکل کر بذریعہ قوت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جدوجہد برپا کرنا ہے۔ خروج کی اصل اطاعت امیر کا اطاعت شارع سے مشروط ہونا اور مسلمانوں پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا لازم ہونا ہے۔ یہ امر کہ خروج کب کیا جائے علماء کے ہاں ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اس مسئلے میں درج ذیل امور اہمیت کے حامل ہیں:

☆ علماء کا اس امر میں اجماع ہے کہ امام عادل کی اطاعت واجب ہے اور اسکی اطاعت سے نکلنا ان تمام وعیدوں کا مصداق بنتا ہے جو احادیث میں الجماعۃ سے علیحدگی اختیار کرنے والوں کیلئے بیان ہوئی ہیں۔ ایسے عادل حاکم کا تختہ الٹنے کیلئے ہتھیار اٹھانا یا اسکے اقتدار کو کمزور کرنے کیلئے گروہ بندی کرنا بغاوت کے زمرے میں شمار ہوگا اور ایسا کرنے والوں کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ اسی طرح خروج کے مفاسد سے بچنے کیلئے امارت جابرہ کے خلاف بھی خروج نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ چھوٹے منکر کی جگہ بڑے منکر کا خدشہ مول لینے کے مترادف ہے۔لیکن بذریعہ قوت نہی عن المنکر نہ کرنے کا مطلب حکمرانوں کو کھلا چھوڑ دینے یا ہر درجے میں نہی عن المنکر ترک کردینے کے مترادف نہیں ۔شیخ عبد المنعم المصطفی حلیم نے ایسے حاکم کی اطاعت کے رویے پر نہایت خوبصورت بات کہی ہے کہ'اس صورت حال میں اطاعت سلبی نہیں کہ جس میں نہ تو نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت ہے اور نہ ہی ظالموں کے سامنے حق کہنا، بلکہ یہ رشد وہدایت اور حکمتوں پر مبنی ایجابی اطاعت ہے جو باطل کے سامنے نہ تو ذلت و رسوائی اور حقارت پر مبنی ہے اور نہ ہی ظالموں کے اثر و رسوخ سے خوف کھانے والی۔ چنانچہ ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کے نمونے ہمارے سلف صالحین کی زندگیوں میں بے شمار ملتے ہیں'۔ چنانچہ بزرگان دین کے ایسے تمام واقعات جن میں ملوک کے خلاف خروج سے ہاتھ روکنے کو کہا گیا انکا تعلق اسی قبیل سے ہے، اور عقل کا تقاضا بھی ایسا طرز عمل اختیار کرنا ہی ہے۔یعنی جب نظام اطاعت بحیثیت مجموعی اسلامی بنیاد پر قائم ہو، اسلامی علوم (کلام، فقہ وتصوف) کی بالادستی قائم ہو، ریاستی ادارے معاشرے میں اسلامی احکامات کے مطابق کام کررہے ہوں، عدالتیں فقہ اسلامی کی بنیاد پر فیصلے کررہی ہوں وغیرہ تو ایسے حالات میں قرین قیاس بات یہی ہے کہ خروج سے اعتناء برتا جائے کیونکہ اس طریقے سے ایک بڑے خیر (یعنی نظم اطاعت اسلامی) کے بکھر جانے کا اندیشہ ہے لہذا اس حکمت عملی سے اغماز کرتے ہوئے کم تر شر کو قبول کیا جانا چاہیئے

☆ مسئلہ خروج میں اختلاف اس مرحلے پر ہوتا ہے جب امارت ضالہ کے خلاف خروج درپیش ہو۔اس میں شک نہیں کہ علمائے اہل سنت کی ایک بڑی تعداد کے خیال میں ایسے حاکم کے خلاف بھی خروج نہیں کرنا چاہیئے جسکی وجہ انکے نزدیک مسلمانوں میں دنگا وفساد، کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی شان وشوکت کم ہوجانے کا خوف نیز بہت سے مصالح دینیہ کا فوت ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ خروج کے خلاف ان علماء کے فتوے کی وجہ یہ نہیں کہ انکے نزدیک خروج سرے سے شرعاً جائز ہے ہی نہیں، بلکہ اس رویے کی وجہ درج بالا حکمتیں ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ جس طرح علماء کی ایک بڑی تعداد بوجہ فروغ فساد امارت ضالہ کے خلاف خروج کرنے کی مخالف رہی ہے بالکل اسی طرح کئی جید علماء کرام جن کے سرخیل امام ابوحنیفہؒ ہیں انکے خیال میں خروج جائز ہے کیوں کہ مسلمانوں پر شریعت اسلامی قائم کرنا اور فاسق امام کی جگہ امام عادل کے قیام کی جدوجہد ضروری ہے۔ اس مقدمے کے دلائل درج ذیل ہیں:

الف) قرآن مجید میں ارشادفرمایا گیا: **واجتنبوا الطاغوت** (نحل ۳۶) یعنی 'طاغوت سے الگ ہو جاؤ' ۔ علمائے تفسیر ((۶)) نے صراحت کی ہے کہ طاغوت سے مراد اللہ کے دین کے مقابلے میں اطاعت کرانے والا بھی ہے۔ سرمایہ دارانہ ریاست چونکہ طاغوت ہے لہٰذا یہ الجماعۃ کا مصداق کیسے ہوسکتی ہے جبکہ طاغوت سے بچنے والوں کو قران خوشخبری سنا رہا ہے (زمر ۱۷) ساتھ ہی انہیں سیدھے ومضبوط راستے کا مژدہ سنا رہا ہے (بقرۃ ۲۵۶)، اور طاغوت کی اطاعت کرنے والوں کو لعنتی، شیطان کے ساتھی اور بدترین لوگ قرار دیا گیا ہے (نساء ۵۱ـ۵۲،۷۶ اور مائدہ ۶۰)۔

ب) قرآن میں ارشاد ہوا: **تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** (مائدہ ۲) 'ایک وسرے کی مدد کرو نیکی اورتقوے کے کاموں میں اور مددمت کرو گناہ اور زیادتی کے معاملات میں' ۔معلوم ہوا کہ گناہ وعدوان پر مبنی اورانہیں فروغ دینے والی ریاست (مثلاً جمہوری ریاست) کے ساتھ تعاون جائز نہیں، اور ایسی ریاست کی برضا و رغبت اطاعت کرنا درحقیقت اسکی مدد کرنے ہی کی ایک صورت ہے

ج) اہل ایمان کی امامت کا حقدار کون ہے اس ضمن میں ارشاد ہوا **قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھد الظالمین** (بقرۃ: ۱۲۴) 'اللہ نے (جب ابراہیمؑ) سے کہا کہ بے شک میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں (تو ابراہیم نے) عرض کی کیا میری اولاد سے بھی؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں' ۔ امام جصاصؒ، امام رازیؒ اور امام قرطبیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ ظالم اصولاً منصب امامت کا حقدار ہے ہی نہیں۔ اس ضمن میں مزید ارشاد ہوا

د) **ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا** (نساء: ۵۸) 'بے شک اللہ تمہیں حکم

☆ درء المفاسد اولی من جلب المصالح ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا ہے کہ امانتیں انہیں سپرد کرو جو اسکے حقدار ہیں' ۔ اس سے معلوم ہوا کہ منصب امامت ایسے شخص کو دینا چاہئے جو اسکا اہل ہے یعنی اسکی شرائط پوری کرتا ہو

ہ) **اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل** (نساء: ۵۸) 'اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل (یعنی شریعت) کی بنیاد پر کرو' ۔ نیز اسی طرح فرمایا گیا **یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء** (نساء ۱۳۵) 'اے ایمان والو عدل پر مضبوطی سے قائم رہنے والے بن جاؤ'

و) **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول والی الامر منکم** (نساء: ۵۹) 'اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور انکی جو تم میں سے صاحب امر ہوں' معلوم ہوا کہ اطاعت امیر درحقیقت اطاعت شارع سے مشروع ہے، اگر وہ اسکے خلاف ورزی کرے تو اسکی اطاعت ضروری نہیں ۔

ز) حدیث شریف میں اصول بیان ہوا **لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ** (متفق علیہ) یعنی اللہ کی نافرمانی کے معاملے میں کسی مخلوق کی اطاعت معتبر نہیں ۔ نیز فرمایا **لا طاعۃ لمن لم یطع اللہ** (فتح الباری، کتاب الاحکام) یعنی جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتا اسکی کوئی اطاعت نہیں ۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا: **لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ** (کھف : ۲۸) 'اسکی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے'، نیز **لاتطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون** (شعراء : ۱۵۱.۲) 'حد سے گزرنے والوں کے حکم کی پیروی مت کرو یہ وہ ہیں جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے' ۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ امیر کی اطاعت اطاعت شارع سے مشروط ہے، فسق و فجور اور نظام باطل برپا کرنے والوں کی اطاعت جائز نہیں، نیز مسلمانوں پر عدل و قسط پر قائم رہنا لازم ہے ۔

ح) ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا: **ستکون امراء فتعرفون و تنکرون فمن عرف بری ومن انکر سلم ولکن رضی و تابع قالوا افلا نقاتلھم قال لا ما صلوا** (مسلم)

☆ الاصل بقاء ما کان علی ما کان ☆ بنیادی طور پر جو چیز جس حالت پر ہو اسی پر باقی رہتی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی عنقریب ایسے حکمران ہونگے جنہیں تم پہچانتے ہوگے اور انکا انکار کروگے، پس جس کسی نے ان (کی حقیقت) پہچان لی وہ بری ہوگا، جس کسی نے برملا انکا انکار کیا وہ تو سلامتی کے راستے پر ہوگا سوائے اس کے جو ان پر راضی ہوگیا اور انکی اطاعت کرنے لگا (یعنی نہ وہ بری ہے اور نہ سلامتی کے راستے پر)۔ صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ایسے امراء کے خلاف ہمیں قتال نہیں کرلینا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تک وہ نماز ادا کرتے رہیں ایسا مت کرنا۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ فاسق حکمرانوں کی اطاعت کی کم از کم شرط یہ ہے کہ وہ نظام صلوۃ قائم رکھیں (یعنی خود بھی ادا کریں، اسکی ادائیگی کا اہتمام کریں نیز رعایا کو بھی اسکا حکم دیں)۔ اس حدیث میں لفظ 'قتال' یہ واضح کررہا ہے کہ اس شرط کی عدم موجودگی میں محض احتجاج (منازعت) نہیں بلکہ 'مسلح جدوجہد' کی اجازت بھی ہے۔ اسکے علاوہ بھی ایسی احادیث ہیں جن سے حکمرانوں کے خلاف بذریعہ قوت نہی عن المنکر پر استدلال ہوتا ہے۔

اس حدیث پر گفتگو فرماتے ہوئے کچھ حضرات نے یہ نکتہ پیش کیا کہ چونکہ قرون اولی میں نماز ان معنی میں شعائر اسلام سمجھی جاتی تھی کہ ہر کوئی نماز پڑھتا تھا لہذا اسکی عدم ادائیگی پر خروج کی اجازت دی گئی لیکن چونکہ آج کے دور میں اکثریت بے نمازیوں کی ہے لہذا آج یہ اس طور پر شعائر اسلام نہیں رہی، اس لئے آج ترک صلوۃ پر خروج جائز نہ ہوگا۔ ہم اس تاویل کا سر اور پیر دونوں ہی تلاش کرنے سے قاصر ہیں، اہل علم خود ہی اس تاویل کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ حدیث شریف کا مدعا یہ بتانا ہے کہ اقامت صلوۃ ہر دور کے لئے حقیقی اسلام کے اظہار کا کم سے کم درجہ ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے وہ پیمانہ بتا دیا جس میں تول کر فیصلے کیے جاسکتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ مومن اور کافر میں فرق کرنے والی شے نماز ہے۔ اس نکتہ شناسی کا مطلب یہ ہوا کہ شعائر اسلام کا تعین قرآن وسنت کی نصوص سے نہیں بلکہ فاسق مسلم اکثریت کے اعمال سے ہونا چاہئے۔

ط) پھر خیر القرون میں خروج کی سب سے اعلی نظیر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور امام حسینؓ کے طرز عمل میں نظر آتی ہے جسکا مقصد اسلامی خلافت و ریاست کو امارت وسلطنت کے بجائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافت راشدہ کی طرف پلٹا دینے کی جدوجہد کرنا تھا، دوسرے لفظوں میں ان اصحاب کی جدوجہد اختیار عزیمت کی اعلیٰ مثال ہے جسے علماء اہل سنت نے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ ان دونوں حضرات کی نظیر اہل سنت والجماعت کے نزدیک اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کا نفس زکیہ وغیرہ کے خروج کا ساتھ دینا بھی اہل علم کو خوب اچھی طرح معلوم ہے

ی) اسی طرح متعدد قواعد فقہ سے بھی خروج پر استدلال ہوتا ہے، مثلاً **ان الضرر یزال**، یعنی نقصان کا ازالہ کیا جانا ضروری ہے، نیز **ازالۃ الضرر الاکبر بالضرر الاصغر** یعنی بڑے نقصان کا ازالہ نسبتاً کم تر نقصان سے کیا جائے گا وغیرہم

☆ خروج کی اجازت دینے والے علماء کے نزدیک بھی اسکی اجازت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

اول: خروج تب کیا جائے جب بگاڑ بڑی نوعیت کا ہو، یعنی جب حکمران کھلے بندوں واضح احکامات شریعہ کی دھجیاں بکھیرنے لگیں، اسلامی نظام اطاعت معطل ہو کر غیر اسلامی نظام اطاعت غالب آ چکا ہو۔ دوسرے لفظوں میں خروج امارۃ ضالہ وکفر کے خلاف کرنا چاہیے۔ فقہاء کرام نے جواز خروج کی جس شرط پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ شریعت اسلامی کا معطل ہو جانا ہی ہے۔(۷)

دوئم: حالات اتنے سازگار اور قوت اتنی ہو کہ خروج کی صورت میں کامیابی کے امکانات روشن ہوں۔ کامیابی کے امکانات اور تیاری کے مراحل بہر حال اجتہادی مسائل ہیں کیونکہ نہ تو حالات ہی ہمیشہ یکساں کیفیت کے ہوتے ہیں اور نہ تیاری کے لگے بندھے اصول ہیں بلکہ تیاری کی کیفیت و مراحل کو درپیش حالات پر منطبق کرنے کے نتیجے میں ایک حکمت عملی وضع کرنا ہوتی ہے جسکی نوعیت ہمیشہ مختلف ہوا کرتی ہے۔ البتہ جدوجہد کے متوقع نتائج کے اعتبار سے علامہ ابن قیمؒ کی بات بہت خوبصورت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انکار منکر کے چار درجات ہیں:

۱) ایک منکر ختم ہو جائے اور اسکی جگہ معروف قائم ہو جائے، ایسا کرنا مشروع ہے

۲) ایک منکر کم ہو جائے اگرچہ ختم نہ ہو، یہ بھی مشروع ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳) ایک منکر ختم ہوجائے مگر اسکی جگہ ویسا ہی منکر قائم ہوجائے، یہ اجتہادی مسئلہ ہے (کہ آیا واقعی اسی درجے کا دوسرا منکر آجائے گا یا نہیں)

۴) ایک منکر ختم ہوجائے مگر اسکی جگہ اس سے بھی بڑا منکر قائم ہوجائے، ایسا کرنا حرام ہے۔

☆ رہی یہ بات کہ جب بذریعہ قوت خروج کی استطاعت نہ ہو تو کیا کیا جائے تو اسکا جواب یہ نہیں کہ اس جدوجہد کو روز محشر تک کیلئے خیر آباد کہہ دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ مناسب تیاری کی جائے، یعنی ایسی صورت میں خروج کی تیاری کرنا لازم ہے کیونکہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوا کرتا ہے۔ شیخ عبد المنعم المصطفی حلیم فرماتے ہیں کہ اس تیاری کی کئی صورتیں اور درجے ممکن ہیں:

۱) حسب استطاعت فکری وعملی تیاری کرنا تا کہ ایک طرف خروج کے لئے ذہن سازی ہو سکے تو دوسری طرف متبادل اداراتی صف بندی کی کوشش کی جاسکے تا کہ قوت کو موجودہ اداروں وافراد سے چھین کر (یعنی انکا اقتدار معطل کر کے) متبادل اداروں وافراد میں مجتمع کردیا جائے تا کہ خروج کیلئے راہ ہموار ہو اور امت مسلمہ کو باطل کے غلبے سے نجات ملے۔

۲) حکمرانوں سے علیحدگی اختیار کر کے نظام باطل کی مضبوطی کا باعث نہ بننا۔ یعنی ایسے امور ترک کردیئے جائیں جن سے ان کی سلطنت مضبوط ہو یا ملک پر انکا اثر ورسوخ بڑھے۔ اسکی اعلی مثال امام ابوحنیفہؒ کی زندگی میں نظر آتی ہے جنہوں نے باوجود سرکاری جبر کے منصور کی سلطنت میں قاضی القضاء کا عہدہ قبول نہ کیا۔

۳) انکے آئین و باطل قوانین کو برضا ورغبت تسلیم نہ کیا جائے اور نہ ہی ایسی بات کی جائے جو اعتراف حاکمیت یا قبولیت نظام کا فائدہ دے اور اگر کچھ لوگ متفق ہوکر ان سے علیحدہ ہونے اور انکے خلاف تیاری کرنے کے رویے کو اپنائیں تو انکا فکری وعملی سطح پر ساتھ دینا چاہیئے تا کہ باطل نظام اقتدار کمزور ہو اور اس سے نجات مل سکے

یاد رہے کہ باطل نظام اقتدار پر مطمئن رہنا درحقیقت اس سے رضامندی کی علامت ہے کیونکہ اقتدار کے معاملے میں لاتعلقی یا نیوٹرل رویے کی کوئی حقیقت نہیں، یعنی یا تو آپ کسی نظام اقتدار کے خلاف ہوتے ہیں یا اسکے حق میں انکے درمیان کوئی راستہ موجود نہیں۔

☆ التاسیس خیر من التاکید ☆ تاسیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاصہ بحث:

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ:

☆ ایسی احادیث جن میں خروج سے منع فرمایا گیا ہے انکا تعلق یا تو انفرادی و شخصی حقوق سے ہے یعنی اگر حکمران ذاتی طور پر تم پر ظلم کررہا ہو مگر ریاست کی بنیاد شریعت ہو تو تم صبر کرو اور اجتماعیت کو نقصان نہ پہنچاؤ اور یا پھر حکمران کی انفرادی برائیوں سے ہے۔ اس استدلال کا قرینہ اس حدیث میں موجود ہے: 'حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا تو ہم نے آپ کی بیعت کرلی، آپ نے بیعت کیلئے جو شرطیں لگائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ ہم اپنے امیر کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، خوشی کی حالت میں بھی اور ناخوشی کی حالت میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، اور اس حالت میں بھی کہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور یہ کہ ہم اہل امور سے جھگڑا نہیں کریں گے یہاں تک کہ تم ان میں ایسا کھلا کفر دیکھ لو جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس اللہ (کی کتاب) کی طرف سے کھلی دلیل ہو' (بخاری کتاب الفتن و مسلم کتاب الامارۃ)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انفرادی حقوق تلفی (مثلاً باوجود اہلیت عہدہ نہ ملنے) کی بنیاد پر اطاعت امیر سے نکلنا جائز نہیں البتہ نظم اجتماعی میں واضح رخنہ اندازی کی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اس قبیل کی دیگر احادیث کو یہ معنی پہنانا کہ دین سے منحرف اور سرمایہ داری کی ایجنٹ ریاست کے ساتھ بھی التزام جماعت تقاضائے شریعت ہے درحقیقت نصوص میں تضاد پیدا کرنا ہے

☆ اصول حدیث کے مسلمہ اصول 'احادیث ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں' کی رو سے ایسی تمام احادیث جن میں اطاعت امیر کیلئے اطاعت شارع کی شرط لگائی گئی ہے ان تمام احادیث کی تشریح کرتی ہیں جن میں بظاہر اس قید کا ذکر موجود نہیں۔ چنانچہ امام قرطبیؒ سورۃ بقرۃ آیت ۱۲۴ کے تحت فرماتے ہیں: 'امام وہ ہوتا ہے جس کا دامن گناہ کبیرہ سے داغدار نہ ہو، احسان کی صفت سے متصف ہوتا ہے اور اسمیں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجالانے کی صلاحیت بھی ہو۔ ان خوبیوں والے امام کے متعلق ہی نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سے مت جھگڑو لیکن جو فاسق و فاجر ہوں وہ امامت کے حقدار ہیں ہی نہیں'۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے امت کو جن آخری باتوں کی وصیت فرمائی ان میں سے ایک یہ بھی تھی

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ فاستمعوا لہ واطیعوا (بخاری) یعنی اگر تم پر ایک غلام بھی امیر بنا دیا گیا ہو جو تمہاری امارت اللہ کی کتاب کے مطابق کر رہا ہو تو اسکی بات سنو اور اطاعت کرو

☆ علماء کرام کے اقوال و افعال میں تطبیق دینے کی صورت یہ ہے کہ اصولاً خلاف خروج اقوال کو امارۃ عادلہ اور جابرہ کے خلاف خروج پر محمول کیا جائے

☆ اگر علماء کرام کے خلاف خروج اقوال کو امارۃ ضالہ پر بھی محمول کیا جائے تو اس کی وجہ فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہے نہ کہ خروج کا اصولاً ہر حال میں ناجائز ہونا۔ امارۃ ضالہ کے خلاف خروج کے ان اقوال کا پس منظر یہ ہے کہ گو ان میں گوں نہ گوں برائیاں پائی جاتی ہیں البتہ ان امارتوں کے ذریعے اسلامی ریاستی (بشمول تعلیمی، عدالتی، معاشرتی، ادارتی، تعزیری، تبلیغی، جہادی وغیرہم) نظم بہرحال محفوظ اور قائم و دائم ہوتا ہے اور ریاستی نظام بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو اپنی زندگیاں شارع کی رضا کے مطابق گزارنے سے نہیں روکتا بلکہ اس میں مددو مددگار ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ایسی حکومتوں کو بھی بصورت عدم دستیابی قوت برداشت کرلیا جائے کہ بصورت دیگر خیر کم اور شر زیادہ پھیلنے کا اندیشہ ہے

☆ البتہ ان اقوال فقہاء کا تعلق غیر اسلامی ریاستوں کے ساتھ جوڑنا یا تو علمی خیانت ہے اور یا پھر نا سمجھی۔

بچوں کے لئے مفید دینی معلومات پر مشتمل چار کتابوں کا انعامی سیٹ

مختصر نصاب قرآن　　مختصر نصاب حدیث

مختصر نصاب سیرت　　مختصر نصاب فقہ

ملنے کا پتہ: فرید بکسٹال اردو بازار لاہور ☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی لاہور
مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ☆ مکتبہ غوثیہ پرانی سبزی منڈی کراچی

☆ الضرورات تبیح المحظورات ☆ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی:

۱) سرمایہ دارانہ نظام ریاست کی ہیئت سمجھنے کیلئے دیکھئے ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب کا نہایت قیمتی و اہم مضمون 'لبرل سرمایہ دارانہ ریاست' کتاب 'جمہوریت یا اسلام'

۲) لبرل اور آمرانہ جمہوریتوں کا فرق، انکے وجہ جواز اور برائے نام اسلامی ریاستوں کی حقیقت سمجھنے کیلئے دیکھئے فرید زکریا کی کتاب Future of Freedom

۳) انکی مختصر وضاحت کیلئے دیکھئے راقم کا مضمون 'اسلامی خلافت اور موجودہ مسلم ریاستوں کا تاریخی تناظر میں موازنہ' کتاب 'جمہوریت یا اسلام'

۴) ہیومن رائٹس کی تفصیلی وضاحت نیز اسلامی تعلیمات میں اسکے جائزے کیلئے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون 'جدید اعتزال کے فکری ابہامات کا جائزہ' ماہنامہ محدث نومبر ۲۰۰۹ نیز جمہوری ریاست کے اندر اسلامی جدوجہد کی لایعنیت سمجھنے کیلئے دیکھئے ہمارا مضمون 'جمہوریت اور اسکے تناظر میں برپا اسلامی جدوجہد کا تنقیدی جائزہ' کتاب 'جمہوریت یا اسلام'

۵) انقلابی تحریکات کے لئے قدرے نرم گوشہ رکھنے والے مفکرین و علماء کا بھی یہ خیال ہے کہ یہ تحریکیں علمی و نظریاتی نہیں بلکہ منافق قسم کے مسلم حکمرانوں کے خلاف انتقام، ناامیدی و غصے کے جذبات کا (ناجائز) اظہار ہیں، حالانکہ یہ تجزیہ محل نظر ہے کیونکہ جس طرح انیسویں صدی کے مخصوص حالات میں علمائے کرام کا سیاسی صف بندی سے کنارہ کش ہوکر مدارس کی سطح پر اسلامی علوم کو محفوظ کرنے کا فیصلہ خالصتاً علمی و نظریاتی (اور الحمد للہ کامیاب) اجتہاد تھا بالکل اسی طرح بیسویں صدی میں انقلابی و جہادی تحریکات کا زور پکڑنا بھی ایک شعوری و نظریاتی اجتہادی فیصلہ ہے

۶) مثلاً دیکھئے تفسیر ابن جریر سورۃ بقرۃ ۲۵۶، ابن کثیر سورۃ نساء۔ ماضی قریب کے تقریباً تمام روایت پسند مکاتب فکر کے مفسرین نے اس سے یہی مراد لیا ہے

۷) خروج پر فقہی مباحث کیلئے دیکھئے شرح صحیح مسلم (علامہ نووی) یا فتح الباری

۸) البتہ مسلمانیت کے فرق کی بناء پر دونوں کے فقہی معاملات میں یقیناً فرق کیا جائے گا، مثلاً یہ کہ مسلمانوں کو غلام نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی انکے اموال کو مال غنیمت سمجھا جائے گا وغیرہ

۹) فائدوں اور نقصان کے تناظر پر حامد کمال الدین صاحب نے اپنے مضمون 'معاصر جہاد اور کچھ عمومی اشکالات' میں بہت عمدہ بحث کی ہے، دیکھئے ماہنامہ ایقاظ جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱۔ یہ نکتہ اسی سے اخذ کردہ ہے۔

۱۰) یہ نکتہ مولانا مودودی مرحوم کے مضمون 'اسلام کا تصور رواداری' سے لیا گیا ہے۔

☆ ماجرم اخذہ حرم اعطاؤہ ☆ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔☆

© rasailojaraid.com